

نسل در نسل بدبختی | کچھ گناہ تو ایسے ہوتے ہیں جن کی سزا کرنے والوں ہی کو ملتی ہے مگر جدید تحقیقات سے اس کا ثبوت فراہم ہوا ہے کہ شرابیوں کے بچے اگر ذہین اور نارمل بھی ہوں تو پھر بھی جوانی میں جا کر وہ نفسیاتی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۷۹ء کے نیوز ویک کے صفحہ ۴۸ پر ایک تحقیقاتی رپورٹ چھپی ہے جس کا عنوان ہے ”عادی شرابیوں کی اولاد“ (Kids of Alcoholics) (ہم اختصار کے ساتھ اس کا بعینہ ترجمہ پیش کرتے ہیں:-

”اس کی ماں عادی شرابی (alcoholic) تھی مگر ڈیوڈ ایک ماڈل بچہ دکھائی دیتا تھا۔ سات سال کی عمر میں وہ گھر کی صفائی کرتا۔ کھانا پکاتا۔ کپڑے دھوتا اور اپنے شرابی چھوٹے بھائی کی نگہبانی بھی کرتا۔ ٹی سکول میں وہ اپنی کلاس کا صدر تھا اور کالج میں وہ سب سے اعلیٰ درجے میں آنرز کے ساتھ ڈگری لے کر پاس ہوا۔ پھر قانون کے سکول میں داخلہ لیا، محنت کرنے کے بعد اس نے غیر شعوری طور سے محسوس کیا کہ اُس کا منتہا بالکل خالی خول ہے۔ ناامید، غمزہ اور تنہائی کے احساس اور سمجھ میں نہ آنے والی پریشانی سے مجبور ہو کر اُس نے ڈاکٹر سے مدد چاہی۔ ۲۶ سالہ ڈیوڈ یادیں تازہ کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ آخر کار ایک معالج نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی شرابی تھا؟ میں ششدر رہ گیا۔ میں ہمیشہ سے ایک اچھا بچہ اور ایک سمارٹ لڑکا رہا تھا۔ میں اس تعلق کا خیال بھی نہ کر سکتا تھا۔

اکثر معالج بھی اس تعلق کو نہیں سوچ سکتے تھے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک محققین جو شرابیوں کے بچوں سے متعلق تھے۔ صرف انہی بچوں پر توجہ مرکوز کرتے تھے جو اچھا رویہ نہ رکھتے تھے۔ انہی کے متعلق یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں وہ بھی بڑے ہو کر شرابی نہ بن جائیں۔ (عادی شرابیوں میں سے ۵۰، ۶۰ فیصد لوگوں کے والدین میں سے کم از کم ایک ضرور عادی شرابی ہوتا ہے)۔

لیکن اب پیشہ ور معالج یہ کہتے ہیں کہ شرابیوں کے بظاہر اچھے بچے بھی خطرے میں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سٹیفنی براؤن جو سٹیفورڈ میڈیکل سنٹر الکوحل کلینک کی ایسوسی ایٹ

ہیں، فرماتی ہیں کہ اب تک ہم حقیقت سے نا آشنا رہے ہیں۔ مزید یہ کہ ایسے بچوں کی پوری آبادیاں ہیں کہ جو اتنے اچھے طور سے پروان چڑھتے ہیں کہ بالکل بے عیب معلوم ہوتے ہیں اور اتنا کچھ حاصل کرتے ہیں جو اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت ہوتا ہے۔ پھر جب یہ بیس یا تیس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تو سب کچھ گڑ بڑ ہونے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ میری تحقیقات یہ بتاتی ہے کہ اُن میں سے آدھے سے زیادہ شراب کی طرف لپکتے ہیں اور عادی بن کر نسل در نسل کے لیے اس مصیبت کو ابدي کر دیتے ہیں۔

..... معالجوں کے پاس شرابیوں کی جو بڑی اولاد مدد کے لیے آتی ہے۔ ان کی مختلف مشکلات ہوتی ہیں۔ لیکن دو باتیں خاص طور سے پائی جاتی ہیں اول یہ کہ یہ لوگ اپنے احساسات پر بھروسہ نہیں کر پاتے۔ دوسرے یہ کہ انہیں یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اپنی ذات پر کنٹرول نہیں رکھتے۔ یہ دونوں چیزیں اس ڈیفنس میکانیزم (defence mechanism) کا نتیجہ ہوتی ہیں جو ان میں گھر کے گڑ بڑ حالات کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ پھر بڑے ہونے کے بعد اُن پر آلٹ کر آن پڑتا ہے۔

۲۷ سالہ سوشل ورکر بلیک جو کیلیفورنیا کے ہسپتال میں کام کرتی ہیں وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ آج جو چھ سالہ ماڈل لڑکا اپنے دفتر میں دیکھتی ہوں اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو یہ بھی اسی طرح قنوطیت زدہ نا اُمید جلد شرابی بننے والا ہو جائے گا جیسا کہ میں نے ایک ۳۵ سالہ کو دیکھا تھا.....

..... بلیک اور براؤن دونوں اس نتیجے پر پہنچتی ہیں کہ شرابیوں کے بچے گھر کے حالات سے مجبور ہو کر اور اس ڈر سے کہ اُن کے والدین پریشان نہ ہوں، اس بات کے عادی ہو جاتے ہیں کہ جذبات کو ہر حالت میں ہر قیمت پر دبایا جائے۔

..... بعض اوقات بچہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ میری فلاں بات سے خفا ہو کہ میرے والد یا والدہ نے شراب پی ہے۔ اگر میں فلاں بات نہ کرتا تو والد یا والدہ شراب نہ پیتے اور اس طرح سے بچہ اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگتا ہے.....

سب سے مشکل سبق یہ سیکھنا ہے کہ شرابی کے بچے کو چاہیے کہ اپنے والد یا والدہ

کو بھلا کر خود اپنی فکر کرے اور اپنے ذہن کو صحت مند رکھنے کی کوشش کرے۔

تفصیلات کے لیے ناظرین کو ہم اصل مضمون پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ شراب نہ صرف شرابی کو خراب کرتی ہے بلکہ اس کی نسلوں کو بھی بد بخت بنا دیتی ہے۔ اللہ کا کتنا فضل ہے اور اس کی رحمت کیسی ذرہ نواز ہے کہ اس نے انسانوں پر اس کو حرام کر دیا ہے تاکہ وہ ان تمام بُرے اثرات سے محفوظ رہیں فالجہد اللہ علیٰ ذلک۔

ترمذی کی ایک حدیث ہے جس میں چوہنخی بار شرابی کو حد لگانے کے سلسلے کا ذکر ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس حدیث کو سنیوں نے یہ کہہ کر قانون سازی سے خارج کر دیا ہے کہ یہ سنت ثابت نہیں ہے، مگر فقہ جعفری کے مطابق فتویٰ اس بات پر ہے کہ اگر شرابی چوہنخی بار بلکہ بعض کے مطابق قیسری بار حد لگانے کے لیے لایا جائے تو اسے قتل کی سزا دی جائے۔

بیروت سے ۱۹۶۶ء میں شیعوں کے مشہور عالم دینی محمد جواد مغنیہ کی کتاب موسومہ "فقہ الامام جعفر الصادق" چھ حصوں میں چھپی ہے۔ اس میں یوں درج ہے۔

اذا ثبت الشرب بعد الشارب ثمانین جلدۃ اجماعاً
ونصاً.... واذا اقيم عليه الحد ثلاث مرات قتل في الرابعة
وقيل! في الثالثة

مذکورہ جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں بہر حال عادی شرابی کو قتل نہ بھی کیا جائے تو کم از کم اس کو شادی کرنے یا اولاد پیدا کرنے سے روک دینا چاہیے تاکہ آئندہ نسلیں بربادی سے محفوظ ہو جائیں۔ ٹیکس اور مغربی حکومتیں دراصل جدید دور کی مغربی حکومتیں کو عوام کی حقیقی فلاح سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ قرون وسطیٰ میں پادری حضرات عوام سے کہا کرتے تھے کہ گناہ کر کے ہمارے پاس آؤ اور اتنی رقم ہمیں دے دو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

پھر کہنے لگے کہ اتنی رقم ہمیں دے دو تو پھر اگر تم فلاں فلاں گناہ کرو گے بھی تو وہ معاف ہوگا۔

حالت زیادہ دگرگوں ہو گئی۔ ایک کروڑ چاس لاکھ امریکنوں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور ۸۰ لاکھ سے زیادہ امریکن آجکل ان غشیات کو استعمال کر رہے ہیں..... امریکہ میں دماغی امراض کی وجہ سے مجاری اقتصادی نقصان ہو رہا ہے۔ ان امراض کے علاج پر اور اس سے جو صنعت کو نقصان پہنچتا ہے وہ کم از کم تقریباً ۲۰ بلین ڈالر (یعنی دو کھرب پچیس) کا ہوتا ہے۔ آجکل تقریباً ۳۰ لاکھ امریکی دماغی امراض کی وجہ سے ہسپتالوں کے باہر اپنا علاج کروا رہے ہیں۔ شماریات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰ تا ۲۰ فیصد امریکن دماغی امراض میں مبتلا ہیں۔

دماغی امراض کے اعداد و شمار کی الجھن یہ ہے کہ ماہرین اس امر پر اختلاف کرتے ہیں کہ کن حالات میں کسی کو ممکن دماغی مریض کہا جاسکتا ہے اور کن صورتوں میں نیم مریض۔ ان اعداد و شمار کو یوں سمجھ لیجیے کہ ۱۰ فیصد تو بالکل پاگل ہوتے ہیں اور باقی ۳۰ فیصد ایسے نیم پاگل جو ذہنی توازن کھو چکے ہوں۔ دماغی امراض کی بحث جہاں تک دماغی امراض کی وجوہات کا تعلق ہے تو جو کچھ مذکورہ بالا مصنفین اور دیگر ماہرین نے لکھا ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دماغی امراض کی بڑی وجہ مغربی تہذیب کے پیدا کردہ سوشل حالات ہیں۔ مذکورہ بالا مصنفین سب سے پہلے دماغی امراض کی وجوہات کو ناقابل حل معاذرا دیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ عرصہ سے ڈاکٹر اور حیاتیاتی سائنس دان ایسی بنیاد تلاش کرنے کی فکر میں ہے جس کی بنا پر دماغی امراض کو بیماری کہا جاسکے (یعنی اسے بیماری کہنے ہی میں مشکلات پیش آجاتی ہیں)۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ:-

”اگر بالفرض چند محدود اقسام کی دماغی تکلیفوں کو تواریخی یا کیمیائی بنیاد دے بھی دی جائے تو پھر بھی اکثر تکالیف بلا توجہ کے رہ جائیں گی۔ حیاتیاتی سائنس دان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دماغی امراض میں سوشل حالات کا بہت بڑا حصہ ہے..... ایک نظریہ یہ ہے کہ جو لوگ ذہنی بے توازن کا شکار ہوتے ہیں وہ عام طور پر شہروں کے اندرونی حصوں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جہاں کہ سوشل بد نظمی موجود ہوتی ہے... دوسرا

نظریہ یہ ہے کہ شہروں کے اندرونی حصوں میں حالات ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے دماغی امراض کی وباں زیادہ کثرت ہو جاتی ہے۔^۱

مذکورہ بالا بیانات اور ماہرین کے دیگر بیانات سے جن سب کو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں، یہ بات بہر حال واضح ہو جاتی ہے کہ دماغی امراض کی کثرت کی وجہ جدید تہذیب اور اس کے پیدا کردہ حالات ہیں۔ اس سلسلے میں جو اقتصادی نقصانات ہو رہے ہیں وہ بھی سن لیجیے۔
مذکورہ بالا مسنفین لکھتے کہ:-

”دماغی امراض کی کثرت کے پیدا کردہ کل اقتصادی نقصانات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ اور شاید لگایا بھی نہیں جاسکتا۔ مگر شاید نیشنل انسٹیٹیوٹ آف نیشنل ہیلتھ کے دماغی امراض کے بلوں سے ان کے علاج پر خرچ ہونے والی رقم اور پروڈکشن کے نقصانات کا جو حساب لگایا گیا ہے اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ حساب ۲۰ بلین ڈالر (یعنی ۲ کھرب روپے) کا لگایا گیا ہے۔ اس نقصان کا اندازہ لگانے کے اور بھی طریقے ہیں۔ مثلاً ہسپتالوں میں دواؤں اور مرلینوں کے اخراجات کا حساب لگایا جائے۔ پھر ان کا حساب لگایا جائے جو ہسپتالوں سے باہر پرائیویٹ طریقوں سے علاج کراتے ہیں۔ پھر اس کا حساب لگایا جائے کہ کل آبادی میں کتنی تعداد ایسی ہے جن کا دماغی توازن درست نہیں۔“^۲

(باقی)

(1) Science News, 102 (July 22, 1972) 58-59.

(2) P. 533. 534 The Sociology of Social Problems